© rasailojaraid.com

عربی تنقید نگاری، تاریخ ماحول و مسائل

(۶)

جناب محمد سمیع اختر فلاحی، ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

چوتھی صدی ہجری :-

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں عباسی خلفاء کی علم دوست فطرت کی بدولت یونانی علوم و فنون کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا کام بہت تیزی سے ہوا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ یونانی، رومی، ہندوستانی، ایرانی علوم و فنون کا بڑا ذخیرہ عربی زبان میں منتقل ہو گیا۔ اور ان علاقوں کی مخصوص تہذیب و ثقافت عربی کلچر میں پوری طرح ضم ہو گئیں۔ ان ترجموں سے جہاں تاریخ، سائنس، طب، ریاضی اور جغرافیائی علوم کو ترقی ملی۔ وہیں نقد و ادب کے میدان میں بھی ان ترجموں نے اپنے اثرات ثبت کئے۔ یونانی ادب و تنقید کی کتابوں کے ترجمے سے عربی تنقید نگاری میں نئے مسائل کا اضافہ ہوا۔ خاص طور پر ارسطو کی کتاب "الخطابۃ" اور "کتاب الشعر" کے ترجمے نے عربی تنقید کے دائرے کو کافی وسعت عطا کی۔ متی بن یونس نے ۳۲۸ھ میں کتاب الشعر کا ترجمہ کیا۔ اس طرح اس صدی میں یونانی تنقید کے اثرات عربی نقد و ادب میں نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناقدوں نے یونان کے المیہ، مزاحیہ اور طربیہ شاعری کو عربی شعر وشاعری میں موجود قسموں سے جوڑنے کی کوشش کی

قدامہ بن جعفر :- (۲۷۵ - ۳۳۷ھ)

قدامہ نصرانی النسل تھا اور خلیفہ مکتفی کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔ فلسفہ، منطق، ادب کے میدان میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ اس نے عربی تنقید کو اپنا بنیادی مقصد قرار دیا۔ وہ یونانی فلسفہ اور ان کی ادبیات سے کافی متاثر تھا۔ چنانچہ اس نے عربی تنقید کے مسائل کو یونانی نقد کے اصولوں کی روشنی میں مرتب کرنے کی کوشش کی۔ تنقید کے میدان میں اس کی مشہور زمانہ تصنیف "نقد الشعر" ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ارسطو کے تنقیدی نظریات کو بنیاد بنا کر عربی تنقید کے اصول وضع کرنے کی کوشش کی۔ بہر حال یہ قول محل نظر ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کی کتاب میں ارسطو کی کتاب "فن شعر" کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ بعض مقامات پر تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع ارسطو کی راہ دیوں کو عربی تنقید میں رائج کرنے کے سوا اس کا کوئی اور مقصد نہ تھا۔ (۴۳) قدامہ نے شعر کی جو تعریف کی ہے اور ان کی جن خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے تقریباً وہ تمام کی تمام ارسطو کے یہاں موجود ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ شعر لفظ، وزن، قافیہ، اور معنی چار چیزوں سے مرکب ہوتا ہے۔ پھر وہ چاروں عناصر پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔ ہر ایک جز کی تعریف کرنے کے بعد اس کے حسن و قبح کے معیار کی وضاحت بھی کرتا ہے اور جو کچھ بھی کہتا ہے اس کی تائید میں کلام عرب سے شواہد پیش کرتا ہے۔ وہ مبالغہ پر بحث کرتے ہوئے اس میں غلو کو پسند کرتا ہے اور "احسن الشعر اکذبہ" (اچھا شعر وہ ہے جس میں جھوٹ کی آمیزش زیادہ ہو) وہ پوری عربی شاعری کو دو قسموں (مدح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہجاء، جو تقسیم کرتا ہے، دیگر تمام اصناف نسیب، غزل، عتاب، معذرت، وغیرہ کو ان دونوں سے جوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

قدامہ نے چاہے ارسطو کی تقلید میں کیوں نہ کی ہو یہ حقیقت ہے کہ اس نے عربی تنقید نگاری کو کچھ ایسے متعین اصول وضوابط دیئے جن کی بدولت ادبی تخلیقات کو پرکھنے اور ان کا مقام متعین کرنے میں کافی سہولت ہوئی۔

اس کے بعد پھر معاصر شعراء کے درمیان فضیلت کا مسئلہ ابھر کر سامنے آیا جس نے تنقیدی رجحانات کو مزید ترقی دی۔ ابو تمام اور بحتری کی شاعرانہ شخصیت ناقدوں کے بحث کا موضوع بن گئی۔ کچھ نے ابو تمام کو بڑا بتایا اور کچھ بحتری کو بڑا بتاتے تھے۔ اس مقصد کے لیے مستقل تصنیفیں وجود میں آئیں۔ محمد بن یحییٰ ابوبکر صولی (۳۲۵) نے "اخبار ابی تمام" تالیف کی جس میں ابو تمام کی مدح و تحسین کی۔ اس کے فضائل و مناقب کو بیان کیا۔ اس کے بعد ابوالقاسم حسن بن بشر آمدی (متوفی ۳۷۱ھ) نے "الموازنہ بین الطائیین" لکھی جس میں دونوں شاعروں کی جداگانہ صلاحیتوں پر روشنی ڈالی اور ان کے ساتھ منصفانہ رویہ اختیار کیا۔ اس کی یہ کتاب نقد ادبی کے اہم اور تحقیقی مسائل سے بھری ہے۔ ان کے بعد متنبی کی شخصیت بھی ناقدوں کے درمیان بحث کا موضوع بنی۔ چنانچہ اس کے موافقین و مخالفین دونوں ہی نے اپنے اپنے طور پر اس کے کلام کا ناقدانہ جائزہ لیا۔

قاضی جرجانی:- ۲۹۰ - ۳۹۲ھ

چوتھی صدی ہجری میں عربی تنقید کا تجزیہ اس وقت تک نامکمل ہوگا جب تک کہ قاضی جرجانی کی خدمات کا جائزہ نہ لیا جائے۔ ابوالحسن علی بن عبدالعزیز کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلق جرجان سے تھا۔ (۱۲) صاحب بن عباد سے خوشگوار تعلقات کے ب
وہ جرجان کے قاضی مقرر ہوئے اور زندگی کے آخری ایام تک اسی عہدے پر فا
رہے۔ انہوں نے تاریخ، فقہ، ادب اور دیگر موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف
کیں۔ نظم و نثر دونوں ہی میدان میں آپ کو مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ ثعا
نے آپ کو نثر کے میدان میں جاحظ ثانی اور نظم میں بحتری کے برابر قرار دیا ہے۔
تنقید کے میدان میں ان کی مشہور کتاب "کتاب الوساطہ" ہے بعض مورخین ۔
اسے "کتاب الوساطہ بین المتنبی وخصومہ" کا نام بھی دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ک
جب بھی کسی شاعر یا فنکار کے سلسلے میں کوئی رائے دیں تو اس میں غایت د
حزم و احتیاط اور عدل و انصاف سے کام لینا چاہیئے۔ انہوں نے متنبی کے حا
و موافقین دونوں کی غلطیوں کو واضح کیا ہے اور صحیح اقوال کی تصدیق بھی کی ہے
وہ کہتے ہیں کہ کسی کی اچھائی سے صرف نظر یا کسی کی خامی یا کمزوری کو چھپانا د
ہی چیزیں غلط ہیں۔ انہوں نے اپنے طویل مقدمے میں جاہلی شعرا کی خامیوں او
شعر و شاعری میں فطری صلاحیت کی اثر اندازی، جریر، ابو نواس، ابو تمام او
بحتری کے شعری و فنی محاسن اور ادبی کمزوریوں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس
کے بعد استعارہ، جناس، طباق اور دوسری قسموں پر بحث کرتے ہوئے متنب
کو موضوع بحث بنایا ہے۔ انہوں نے اشعار کی رقت و خشونت میں ماحول
اور فطرت کے اثرات کا اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ اہل بادیہ کے اشعار میں
خشونت اور شہریوں کے اشعار میں نزاکت و رقت کا پایا جانا فطری امر ہے

ابو ہلال عسکری :-

علم بلاغت کا شمار عربی نقد کے اہم ترین ارکان میں ہوتا ہے اور اسک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا شمار علم بلاغت کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ آپ ایک ماہر لغوی، ثقہ راوی اور اور بانغ النظر ناقد تھے۔ یوں تو انھوں نے زبان و بیان، نقد و ادب اور دیگر موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں لیکن ان کی عظمت و شہرت کی حامل کتاب "کتاب الصناعتین" ہے۔ انھوں نے نظم و نثر دونوں کے اندر پائے جانے والے روائع و صنائع کا واضح انداز میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔ اسی طرح بلاغت کے موضوع اور اس کی دوسری قسموں پر بھی سیر حاصل بحث کی۔ انھوں نے علم بلاغت کے مقصد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ اس کا اولین مقصد یہ ہے کہ انسان اعجاز قرآن کا معترف ہو جائے اور زبان و بیان سے متعلق تمام علوم کا مقصد ہی قرآن فہمی ہے۔ ان کے نزدیک بلاغت کا موضع لفظ ہے کیونکہ معنی پر تو ہر انسان قادر ہوتا ہے اور لفظ اسی صورت میں عمدہ ہو سکتے ہیں جب کہ معانی بلند ہوں۔

اسی طرح اس عہد کے دوسرے اہم ادبا اور ناقدوں میں ابو الفرج اصفہانی کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ ان کی مشہور زمانہ تصنیف "کتاب الاغانی" ہے جو یہ ایک نہایت ضخیم ادبی و تاریخی سرمایہ ہے جو بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسے عہد عباسی تک کی شعر و شاعری، حکایت گوئی، قصہ نویسی کا دائرۃ المعارف کہا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر تو یہ کتاب عربی شعر و شاعری، شعراء کے حالات، مختلف زمانوں میں پائے جانے والے سروں اور مغنیات کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ لیکن مختلف شعراء کی شعری کاوشوں پر بحث کرتے ہوئے مفید تنقیدی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ خاص طور پر سرقات، اسناد و متون کی تحقیق میں پختہ اور اعلیٰ تنقیدی ذوق کا مظاہرہ کیا ہے۔ شاعر حکمت ابو العلا معری کی تصنیف "رسالۃ الغفران" جس کا موضوع ادباء کے درمیان غلط قسم کے رائج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشعار و روایات کی تحقیق اور ان پر طنزیہ تنقید ہے۔ بظاہر یہ رسالہ ابن جراح کے ایک رسالے میں لکھا گیا لیکن کتاب کے اندر مختلف ادباء و شعراء کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے کلام سے متعلق مختلف اہم لغوی و ادبی مسائل پر بھی اظہار خیال کرتا ہے۔ مصری نے اس کتاب میں جابجا طنز و مزاح کے پردے میں اہم تنقیدی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس نے انتحال و سرقات جیسے مسائل پر بھی اچھے مفید اور وسیع خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ابوبکر باقلانی :-

اسی دوران عرب بلغاء اور ناقدوں کے درمیان "اعجاز القرآن" کا مسئلہ شد و مد کے ساتھ ابھرا۔ اعجاز القرآن کے مسئلے پر منعقد ہونے والے مناظروں اور لکھی جانے والی کتابوں نے ادبی تنقید کو بہت زیادہ فائدہ پہنچایا۔ اکثر نقاد کا یہی خیال تھا کہ قرآن کا اعجاز اس کے فصاحت و بلاغت میں مضمر ہے۔ اس ضمن میں مشہور کتاب قاضی ابوبکر باقلانی (متوفی ۴۰۳ھ) کی کتاب "اعجاز القرآن" ہے جس کے اندر انھوں نے اعجاز قرآن کے اسباب پر مفصل بحث کی ہے۔ اس کے اسلوب و بیان اور فصاحت و بلاغت پر محققانہ بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص جسے عربی زبان سے واقفیت نہ ہو وہ قرآن کی بلاغت کو نہیں پا سکتا۔ باقلانی وجوہ اعجاز کو گناتے ہوئے طرز تالیف اور اسلوب ہی کو موجب اعجاز تصور کرتے ہیں۔

عبدالقاہر جرجانی :-

ابو ہلال عسکری اور باقلانی کے بعد عبدالقاہر جرجانی کا علم بلاغت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میدان میں اہم مقام ہے۔ ان کا شمار اپنے دور کے مشہور ترین نحویین، نحویوں اور علم کلام کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے الفاظ و معانی سے متعلق مسائل پر تفصیل سے گفتگو کی۔ نقد و بلاغت کے میدان میں ان کی دو اہم کتابوں "دلائل الاعجاز" اور "اسرار البلاغۃ" کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ دلائل کے اندر انہوں نے اعجاز قرآن کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ انہوں نے اعجاز کے مسئلے پر پائے جانے والے اختلافات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ بعض اعجاز کو الفاظ سے متعلق بتاتے ہیں اور بعض معانی میں منحصر سمجھتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اعجاز سے بچنے کے لئے صرفہ کا سہارا لیا ہے۔ عبدالقاہر جرجانی نے ان نظریات کے خلاف ایک نئی تحقیق پیش کی کہ قرآن کا اعجاز تو بلاغت میں ہے اور بلاغت نہ تو صرف الفاظ میں ہے اور نہ تنہا معنی میں بلکہ اس کا انحصار الفاظ و معانی کے باہم حسن ترتیب پر ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان زبان و بیان اور نحو و صرف کے اصولوں سے واقف ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ اسرار بلاغت کی معرفت اس کو مل سکتی ہے جو صاحب ذوق ہو اور خاص قسم کی فطری صلاحیت کا مالک ہو۔ "اسرار البلاغۃ" میں انہوں نے علم البلاغۃ، علم المعانی اور علم البدیع سے متعلق تمام مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ادبی تخلیقات کے مؤثر و غیر موثر ہونے میں اسلوب و انداز بیان کا بڑا دخل ہے۔ سرقات کے باب میں بھی ان کی الگ منفرد رائے ہے اور وہ سرقات کی اکثر قسموں کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ دو شاعروں کے خیالات و اسلوب میں مکمل طور پر ہم آہنگی ہو۔ کہا جاتا ہے کہ عبدالقاہر نے اپنی تحقیقات میں یونانی سرچشموں سے بھی سیرابی حاصل کی۔

مغرب کے تنقیدی نظریات :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغربی علاقہ اندلس میں بھی نقد و ادب کے میدان میں تالیف و تصنیف کی کوششیں کی گئیں مگر ان کی تصانیف پر مشرقی تنقید و مصنفین کا اثر غالب تھا۔ نقد سے متعلق ابن عبد ربہ کی کتاب "العقد الفرید" کافی مشہور ہے جو اخبار، اشعار اور نوادر کا مجموعہ ہے۔ مشرقی ناقدوں کی طرح اس نے بھی زمانے میں متداول تنقیدی مباحث پر اظہار خیال کیا ہے۔ اسی طرح ابو علی قالی (متوفی ۳۵۶ھ) کی کتاب "الامالی" اور کتاب "النوادر" کافی مشہور ہیں۔ اسی طرح ابن رشیق قیروانی بھی اندلس کے مشہور ادباء اور نقادوں میں سے تھا۔ اس کی جملہ تصانیف میں کتاب "العمدۃ فی صناعۃ الشعر و نقدہ" بہت مشہور ہے۔ اس کے اندر نقد ادب سے متعلق اہم مسائل موجود ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ الفاظ و معانی کے درمیان وہی رشتہ ہے جو جسم و روح کے درمیان ہے۔

جدید رجحانات :-

سقوط بغداد کے بعد ایک طویل عرصے تک عربوں کی علمی و ادبی فضا پر سکوت طاری رہا۔ عباسی خلفاء کے ہاتھ سے حکومت کیا گئی کہ ہر طرح کی علمی، ادبی، تہذیبی و ثقافتی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ علم و ادب کو سخت زوال انحطاط کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ جمود و انحطاط کا جو دور تاتاریوں کے بعد غلبہ کے بعد رونما ہوا تھا۔ عثمانی خلفاء کے زمانے تک اپنی انتہائی شکل کو پہنچ گیا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس طویل عرصے کے درمیان نقد و ادب کے موضوع پر کوئی کتاب ہی نہیں لکھی گئی، کتابیں تو ضرور لکھی گئیں مگر ادبی و تنقیدی اعتبار سے وہ زیادہ اہم نہ تھیں۔ جمود و تعطل اور ظلمت و تاریکی کا یہ زمانہ صدیوں تک طاری رہا یہاں تک کہ ۱۷۹۸ء میں نپولین نے مصر پر حملہ کیا۔ اس وقت مصر کے علمی و ادبی فضا پر گہرا سکوت طاری تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی زبان و ادب کس مپرسی کے عالم میں آخری سانسیں لے رہی تھی۔ نپولین درت ایک حملہ آور اور سپہ سالار ہی نہیں تھا بلکہ علم دوست فطرت کا مالک بھی تھا۔ وہ اپنے ساتھ فرانسیسی علماء و ادباء کی ایک جماعت بھی ساتھ لایا تھا۔ اس نے عوام کے اندر علم و ادب کا شوق پیدا کرنے کے لئے ملک کے عرض و طول میں جگہ جگہ مدارس، کالجز، لائبریریاں اور تھیٹر کھلوائے۔ عربی اور فرانسیسی زبانوں میں اخبارات جاری کئے۔ اس کے بعد محمد علی اور ان کے بعد آنے والے حکمرانوں نے اس علمی و ادبی تحریک کو جاری رکھا۔ وہاں کے ادباء نے نقد و ادب کے میدان میں مغرب کی ترقیات سے اثر قبول کیا۔ ان کے اندر بھی عربی زبان و ادب کو انگریزی و فرانسیسی زبانوں کی طرح ترقی دینے کا خیال پیدا ہوا۔ محمد علی کے زمانے سے ہی مصری طلبہ کے وفود کو علم و ادب کے مختلف میدانوں میں مہارت کی غرض سے باہر بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔ چنانچہ مصر کے ادباء و نقادوں کو بھی فرانس و انگلینڈ جانے کے مواقع نصیب ہوئے۔ انہوں نے وہاں جاکر براہ راست فرانسیسی و انگریزی نقد و ادب کا مطالعہ کیا اور پھر عربی زبان و بیان اور نقد و ادب کے اندر مغرب کے جدید نظریات کو متعارف کرایا۔ فرانسیسی و انگریزی زبانوں میں تنقید کے موضوعات پر موجود کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا۔

اس طرح بیسویں صدی کے آغاز سے مغربی افکار کے ساتھ جڑ کر جدید عربی تنقید نگاری کی باقاعدہ شروعات ہوئی۔ انہوں نے مغربی تنقید کے اصولوں سے بھرپور استفادہ کیا خاص طور پر انگریزی و فرانسیسی مکتبۂ فکر کو بنیاد بنا کر عربی تنقید نگاری کو آگے بڑھایا۔ یوروپ کی طرح ان کے یہاں بھی تنقید کے دو بنیادی نظریات ابھر کر سامنے آئے (THEORITICAL CRITICISM) ...

© rasailojaraid.com

تنقید برائے تنقید کا نظریہ یعنی کسی ادبی تخلیق کو تنقید کے اصولوں پر محض اسلئے پرکھا جائے کہ اس کا ادبی مقام متعین ہو سکے، انسانی زندگی سے اس کا کوئی رشتہ نہ ہو۔ دوسرا عملی تنقید کا نظریہ (APPLIED CRITICISM) جس کا مقصد تنقید برائے تنقید نہیں بلکہ تنقید برائے تعمیر ہوا کرتا ہے۔ یعنی یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس ادبی تخلیق سے انسانی سماج کو فائدہ کیا پہنچا۔

بیسویں صدی کے بعد سے عربی تنقید نگاری میں نقادوں کی ایک لمبی فہرست ملتی ہے ان جملہ نقادوں میں ایک اہم نام ابراہیم عبدالقادر مازنی (۱۸۹۰-۱۹۴۹) کا ہے۔ انگریزی زبان و ادب پر عبور حاصل تھا۔ ان کی تنقیدی کتابوں میں "الشعر و غایتہ"، "بشار بن برد" قابل ذکر ہیں۔ ان کے مقالات کے مجموعے "حصاد الہشیم" اور "قبض الریح" کے عنوان کے تحت شائع ہو چکے ہیں۔ یہ تنقیدی قواعد پر مشتمل ہیں۔ دوسرے بڑے ناقد عباس محمود العقاد ہیں ان کی تنقید میں حقیقت جوئی اور آزاد طلبی کا ذوق نمایاں ہے عقاد نے شعراء و ادباء کی تخلیقات کو زمانے اور سماج کے ساتھ ملا کر دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی کتاب "شعراء مصر و بیئاتہم فی الجیل الماضی" اور "ابن الرومی حیاتہ من شعرہ" قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے شعر و ادب کی پرکھ کے لئے اس دور کے سماجی حالات اور شاعر کی نفسیاتی کیفیات کو بھی بحث کا موضوع بنائے ہیں۔ دوسرے اہم ناقدوں میں ڈاکٹر شوقی ضیف، ڈاکٹر محمد مندور، محمد حسین ہیکل، احمد بدوی، احمد امین، احمد ابو، احمد شائب، طٰہٰ حسین، زکی مبارک، سہیل قادر، منجا وزا، احسان عباس، سہیل قادر، عبدالحمید، محمد النویہی، سید قطب وغیرہ کے نام لئے جا سکتے ہیں تنقید سے متعلق مختلف موضوعات پر ان کی اہم کتابیں چھپ چکی ہیں۔

© rasailojaraid.com

عربی تنقید کے اہم مسائل :-

گزشتہ صفحات میں میں نے عربی تنقید نگاری کی تاریخ، مختلف ادوار کے مشہور ناقدوں اور ان کے مخصوص تنقیدی نظریات سے بحث کرتے ہوئے تنقید پر لکھی گئی اہم کتابوں کا ایک ہلکا سا تعارف پیش کیا تاکہ عربی تنقید نگاری کے ارتقائی مراحل پر ایک نظر ڈالی جا سکے۔ اب میں اسی تاریخی تجزیے کی روشنی میں نقد ادبی سے متعلق اہم مسائل کا ذکر کروں گا۔

الشعر والشعراء :-

عربی تنقید نگاری میں سب سے پہلا اور بنیادی مسئلہ جو ابھر کر سامنے آیا وہ شعراء میں تفاضل کا مسئلہ تھا۔ زمانہ جاہلیت ہی سے عرب ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے۔ اشعر الشعراء کو ناپنے کا ان کے پاس کوئی متعین پیمانہ نہ تھا۔ بلکہ ہر ناقد حسب ذوق شخص اپنے انفرادی خیال کی روشنی میں اس مسئلے پر اظہار خیال کرتا تھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایک ہی ناقد دو الگ الگ موقعوں پر مختلف شعراء کو سب سے بڑے شاعر کے خطاب سے نوازتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں امرؤ القیس، زہیر، اور نابغہ کے درمیان فضیلت کا مسئلہ تھا۔ اموی دور میں جریر، اخطل اور فرزدق کے درمیان فضیلت کا مسئلہ درپیش ہوا۔ عہد عباسی میں ابوتمام اور بحتری اور پھر متنبی اور معاصرین کے درمیان افضلیت کا مسئلہ ابھرا۔ عرب ناقد کبھی دو شعراء کے درمیان مقابلہ کرتے اور کبھی ایک شاعر کا مقابلہ دیگر شعراء سے کرتے تھے چنانچہ آمدی نے الموازنۃ بین الطائیین (ابوتمام والبحتری) میں ابوتمام اور متنبی کی شاعرانہ حیثیتوں کا تقابلی مطالعہ کیا

© rasailojaraid.com

گیا ہے۔ جبکہ قاضی جرجانی نے "الوساطۃ بین المتنبی وخصومہ" میں متنبی کا مطالعہ مختلف عرب شعراء سے کیا ہے۔ موازنہ کے سلسلے میں ان کے تنقیدی مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ "کسی شاعر کو دوسرے شاعر سے اس وقت تک افضل قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ ہر ہر پہلو اور ہر ہر زاویہ سے ان کی تخلیقات و سرگرمیوں کا موازنہ نہ کیا جائے۔ دو شاعروں کے درمیان مقابلے میں عدل وانصاف اور ذوق لطیف کو بنیاد بنایا جائے۔ تعصب وجانبداری کو کسی صورت میں جگہ نہ دی جائے۔ جن دو شعراء کے درمیان موازنہ مقصود ہے ان دونوں کی خوبیوں اور خامیوں پر گہری نظر ہو اور پوری امانت و دیانت کے ساتھ ان کو بیان کیا جائے۔ گذشتہ مصنفین و ناقدین کی آراء سے رہنمائی حاصل کی جائے۔" (۴۶)

مرجع حسن / الفاظ یا معانی:-

عربی تنقید نگاری میں صدیوں تک ناقدوں کے سامنے یہ مسئلہ موضوع بحث رہا کہ کلام میں حسن کا مرجع الفاظ ہیں یا معانی! عرب ناقدوں میں جاحظ نے سب سے پہلے اس موضوع کو اٹھایا اور کہا کہ معانی پر تو شہری، بدوی، عالم وجاہل ہر ایک قادر ہوتا ہے۔ اصل کمال تو عمدہ الفاظ کے انتخاب اور ان کی حسین ترتیب میں پوشیدہ ہے۔ (۴۷) وہ کہتا ہے کہ معانی میں سرقہ تو ممکن نہیں کیونکہ معانی تو انسانوں کے درمیان مشترک ہوتے ہیں۔ اصل کمال تو الفاظ اور بحروں کے انتخاب میں ہے۔ لیکن وہ الفاظ اور معانی دونوں کو ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم قرار دیتا ہے۔ دونوں اپنی قدر و قیمت کے لئے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ ایک دوسرے کے بغیر دونوں بے کار ہیں۔ اسی بات کی طرف کتاب الصناعتین' میں ابو ہلال عسکری نے بھی اشارہ کیا ہے کہ شعراء کی فنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عظمت کا دارومدار الفاظ پر ہے نہ کہ معنی پر۔ الفاظ ہی کی بنیاد پر ایک شاعر کو دوسرے شاعر سے افضل قرار دیا جا سکتا ہے۔ فن کی عظمت، اسلوب کی انفرادیت کلام کی خوبی ان تمام چیزوں کا انحصار اس پر ہے کہ شاعر یا ادیب کو الفاظ پر کتنی قدرت حاصل ہے۔ اسی طرح کلام کے فنی محاسن کا تعلق زیادہ تر الفاظ سے ہے۔(۱۸) عبدالقاہر جرجانی نے اس کے خلاف آواز اٹھائی کہ معانی تو ہر شخص کو معلوم ہے۔ خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی۔ اور حقیقت میں معانی کی جدت ہی مرجع حسن ہے ایک ہی عبارت دوسری عبارت سے محض اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ معانی کے اعتبار سے وہ دوسرے سے جاندار ہوتی ہے۔ (۱۹) انہوں نے "اسرار البلاغۃ" میں تمامتر توجہ اس بات پر صرف کی ہے کہ کلام میں حسن کا مرجع معانی میں خصوصاً معانی کی حسن ترتیب۔ جب کوئی شخص کسی عبارت کی تعریف کرتا ہے تو وہ اس کے ظاہر حسن سے نہیں بلکہ باطنی خوبیوں سے محظوظ ہوتا ہے۔ ابوبکر باقلانی کا خیال ہے کہ الفاظ اور ان معانی کے درمیان کامل توازن ہونا چاہیئے یعنی کلام میں الفاظ مطلوبہ معانی سے زیادہ نہ ہوں۔ اور نہ ہی معانی الفاظ کی گرفت سے باہر ہوں۔ اچھے کلام کی پہچان یہ ہے کہ الفاظ و معانی کے استعمال میں تناسب ہو۔(۲۰)

قدامت و جدت کا مسئلہ:-

تیسری صدی ہجری میں عربی تنقید نگاری میں ایک نیا مسئلہ ابھرا۔ اس زمانے میں ادباء و نقاد کا عام خیال تھا کہ جاہلی شعراء کے اشعار ہی ہر طرح کی تعریف و تحسین کے مستحق ہیں۔ اس کے برخلاف متاخر شعراء محنت و جانفشانی کے بعد کتنے ہی عمدہ اشعار کیوں نہ کہیں جاہلی شعراء کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایک بڑا طبقہ معاصر شعراء کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا تھا۔ اور نہ ہی ان کے اشعار کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائل استناد تصور کرتا تھا بلکہ کچھ ایسے ادبا اور نقاد بھی موجود تھے جو متاخر شعرا کو نمایاں مقام دیتے تھے۔ اس طرح عربی تنقید نگاری میں قدیم وجدید کی جنگ شروع ہوئی۔ ابن قتیبہ نے لکھا کہ قدامت یا جدت کسی فن کو پرکھنے کا معیار نہیں بلکہ فن کی قدر وقیمت تو اس کے الفاظ ومعانی کے ذریعے متعین کی جا سکتی ہے۔ فن کو اس کا صحیح مقام ملنا چاہیے قطع نظر اس سے کہ اس کا کہنے والا قدیم ہے یا جدید۔ اللہ تعالیٰ نے فن کی عظمت وبلندی کسی زمانے یا کسی خاص فرد کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے۔ (۵) تاہم یہ مسئلہ ہر دور اور ہر زمانے کے ناقدوں کے سامنے رہا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر احمد مندور نے بھی ابن قتیبہ کی رائے کو غلط ثابت کرتے ہوئے قدما کی فضیلت کی تائید کی ہے۔

الفاظ کی ہیئت :-

یہ مسئلہ بھی ادبی نقد کو درپیش رہا ہے کہ کلام کے اندر جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ کس طرح کے ہوں، ان کی نوعیت کیا ہو۔ اس امر پہ تقریباً تمام ہی ناقدوں کا اتفاق ہے کہ اشعار میں ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہیں جو شیریں، سہل، رواں اور عام فہم ہوں۔ ابن معتز کا خیال ہے کہ اشعار کو آب زلال کی طرح شیریں اور رواں ہونا چاہیے۔ کیونکہ ثقیل الفاظ شعر کے مزاج کے خلاف ہیں (۶) ابن قتیبہ کا خیال ہے کہ کلام کو اتنا سہل ہونا چاہیے کہ وہ عوام کے فہم سے قریب تر ہو جائے۔ قدامہ بن جعفر لکھتے ہیں کہ الفاظ کو فصیح، واضح، سہل اور پرکشش ہونا چاہیے۔ ان کے اندر کوئی ایسا عیب یا خامی نہ ہو جس سے اشعار کی خوبصورتی میں فرق آئے۔ (۷) ابوبکر باقلانی کا خیال ہے کہ الفاظ کو غرابت اور فحشو تنافر سے پاک ہونا چاہیے۔ ان کے اندر ایسی تاثیر ہو کہ جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامع سنے تو اس کے دل میں اتر جائے۔ لیکن جب وہ خود اس طرح کا کلام کہنا چاہے تو وہ اس کے خیال سے اسی طرح باہر ہو جس طرح کہ ستارے کا پکڑنا زمین پر رہنے والے شخص کے لئے محال ہوتا ہے۔ (۴۳) اسی طرح دوسرے نقاد بھی الفاظ کی سلاست، روانی، شیرینی، سہل پسندی، باریکی اور لطافت اور معانی کے درمیان کامل تناسب اور مطابقت کے متقاضی ہیں۔

سجع کا مسئلہ:

سجع کا مسئلہ عرب ناقدوں کے درمیان اختلافی موضوع رہا ہے۔ ایک گروہ تو مقفیٰ مسجع عبارت کو پسند کرتا ہے۔ اور عام و سہل انداز بیان کے مقابلے میں صنائع و بدائع کے استعمال کو ترجیح دیتا ہے۔ ابو ہلال عسکری کے نزدیک متنبی اس لئے پسندیدہ شاعر ہے کیونکہ اس کے یہاں بدائع و صنائع کثرت سے ملتا ہے۔ صاحب بن عباد کی نثر کو اس لئے پسند کرتا ہے کیونکہ اس کے یہاں مقفیٰ و مسجع عبارت بکثرت موجود ہے۔ ابن اثیر نے مسجع کو بہترین کلام قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ خود قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں بھی مسجع کلام موجود ہے۔ (۴۴) دوسری طرف ابو بکر باقلانی مسجع کلام کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور وہ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ قرآن مجید کا کلام مسجع ہے کیونکہ مسجع کلام میں معانی الفاظ کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم میں الفاظ معانی کے تابع ہیں۔ (۴۵)

حسن ترتیب:

آمدی نے حسن ترتیب پر کافی زور دیا ہے اور یہ بات واضح طور پر بتایا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکی الفاظ کی سیٹنگ درست ہو اور اسلوب میں پختگی ہو تو معانی از خود واضح ہو جاتے ہیں۔ حسن تالیف کلام کی رونق کشش اور خوبصورتی کو بڑھاتی ہے (۱۷) ابوہلال کا خیال ہے کہ ایک ادیب یا شاعر کو جس امر کی طرف سب سے زیادہ توجہ دینی چاہیئے وہ حسنِ ترتیب ہے یعنی الفاظ اور ترکیبوں کا حسنِ امتزاج جو کلام کے پرکشش اور موثر ہونے کی ضامن ہے۔ الفاظ اور ترکیبوں کو ان کے مقام و محل پر اس طرح رکھا جائے کہ اس کے اندر کوئی تقدیم و تاخیر ممکن نہ ہو۔ ابن اثیر نے بھی کلمات کے باہمی نظم کو کافی اہمیت دی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کلام میں اس وقت تک حسن پیدا ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ حسن ترتیب نہ ہو۔ عبدالقاہر جرجانی لکھتے ہیں کہ ایک کلمہ ایک جگہ تو بہت اچھا اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہی کلمہ دوسری جگہ بہت بھونڈا اور نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا شاعر کے لئے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط برتے ورنہ شاعری کا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔ (۱۸) یہ حقیقت ہے کہ الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور ترکیبوں کے الٹ پھیر سے انکار میں عظیم تغیر رونما ہوتا ہے کبھی ایک لفظ کی کمی کی وجہ سے پورے کلام کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔ اور کبھی ایک لفظ کی زیادتی کے بدولت کلام میں جان آجاتی ہے۔

علم بدیع کا استعمال :۔

تیسری صدی ہجری سے عربی تنقید میں علم بدیع کی شروعات ہوتی۔ جاحظ کا خیال ہے کہ علم البدیع عربوں کی فطرت میں داخل ہے یہ علم ابونواس مسلم بن الولید اور بشار بن برد کے یہاں زیادہ ملتا ہے۔ اکثر نقاد صنائع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وبدائع کے استعمال میں غلو کو ناپسند کرتے ہیں۔ ابن معتز جو علم بدیع کا موجد سمجھا جاتا ہے۔ وہ صنائع وبدائع کے استعمال کو اسی جگہ جائز قرار دیتا ہے جہاں ذوق گواہی دے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ علم بدیع کے مختلف انواع و اقسام پر ناقد کی گہری نظر ہو تاکہ اس کے اندر کلام کے حسن کو پرکھنے کا ملکہ پیدا ہو سکے۔ ہر زمانے میں صنعت وبدعت کی طرف کافی توجہ دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ عربی تنقید نگاری کا زیادہ تر سرمایہ ادبی تخلیقات کے ظاہری شکل وہیئت سے متعلق ہے۔ افکار ومعانی پر بہت کم تنقید کی گئی ہے، زیادہ زور خارجی صفات پر دیا گیا ہے۔ عباسی دور کے اخیر میں صنائع و بدائع کا کافی زور تھا۔ چنانچہ اس دور کے انشا پردازوں کی تخلیقات کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو صفحات کے صفحات پڑھنے کے بعد بھی عبارت آرائی، الفاظ کی تراش خراش اور ترکیبوں کے الٹ پھیر کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ درست ہے کہ صنائع وبدائع اگر فطری انداز پر کلام کے اندر ہوں تو ان سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے لیکن جب ان کا بتکلف استعمال کیا جاتا ہے تو کلام میں غموض، اخفاء اور ابہام کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آتا بعد میں آنے والے انشاء پردازوں نے دیکھا کہ صنائع وبدائع کا استعمال کلام میں خوبصورتی کی علامت ہے تو انھوں نے بتکلف ان کا استعمال شروع کر دیا اور اس کے استعمال میں توازن کو برقرار نہ رکھ سکے۔ (۲۴)

مبالغہ

مبالغہ بھی عرب ناقدوں کے یہاں مختلف فیہ معاملہ رہا ہے۔ لیکن اکثریت اسے شعر وادب کے لئے موزوں تصور کرتی ہے۔ سب سے پہلے ابن معتز نے اس کی طرف توجہ کی اور اسے شعری محاسن میں شمار کیا۔ قدامہ بن جعفر نے مبالغہ پر بحث کرتے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے استعمال میں غلو کو مستحسن قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یونانی فلاسفہ بھی اس کے ہم خیال ہیں۔ غلو کا مطلب کسی چیز کے استعمال میں حد کو پہنچ جانا ہے، (۱) عبدالقاہر جرجانی کا خیال ہے کہ مبالغہ اور اغراق کے بغیر شاعر کے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔ مبالغے سے شاعرانہ فکر میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور عقل بھی اسے پسند کرتی ہے کیونکہ سچائی شاعری میں بانجھ دوشیزہ کی طرح ہے۔ (۲) بعد میں آنے والے نقادوں نے بھی مبالغہ کو پسند کیا ہے مگر اس کے استعمال میں افراط و غلو کے بجائے اعتدال و احتیاط کو پسند کرتے ہیں۔

(جاری)

ایڈیٹر برہان کا کامیاب آپریشن

پچھلے دنوں ندوۃ المصنفین کے ڈائریکٹر اور ماہنامہ "برہان" کے مرتب صاحبزادہ محترم جناب عمید الرحمٰن عثمانی کے "گلے" کا آپریشن صفدر جنگ ہسپتال دہلی میں کیا گیا۔
جناب ڈاکٹر آر ایل گپتا، ڈاکٹر سنیل چودھری، ڈاکٹر معین الدین بقائی اور جناب ڈاکٹر ضمیر احمد صدیقی کی خصوصی توجہ اور دلچسپی کے باعث الحمدللہ آپریشن ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔
جناب عمید الرحمٰن صاحب تیزی کے ساتھ روبصحت ہو رہے ہیں۔
متعلقین اور قارئین کرام سے گذارش کی جاتی ہے کہ موصوف کی مکمل صحت یابی کے لئے خصوصی دعا فرمائیں۔ تاکہ حسب سابق دفتری نظام اور دیگر ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں۔

(منیجر ماہنامہ برہان دہلی)

© rasailojaraid.com